بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

اصلاح و تعمیر کی سعی کرنے والوں کو جن بڑی بڑی برائیوں سے بچنے کی فکر کرنی چاہئے ان میں سے تین کا ذکر پچھلی اشاعت میں کیا جا چکا ہے، یعنی کبر، ریا اور فساد نیت۔ اسلامی عقیدہ و اخلاق کے نقطۂ نظر سے ان کی حیثیت بنیادی عیوب کی ہے۔ کیونکہ ان میں سے ہر عیب اُس اصل و اساس ہی کو ڈھا دیتا ہے جس پر کسی سعی کے سعیِ خیر اور کسی عمل کے فی سبیل اللہ ہونے کا انحصار ہے۔ اس لیے اُن کا کوئی شائبہ تک ان لوگوں میں نہ پایا جانا چاہیئے جو مسلم معاشرے کی اصلاح اور اسلامی نظامِ زندگی کی تعمیر کا نیک ارادہ لے کر اٹھیں۔

اس کے بعد دوسرا درجہ اُن برائیوں کا ہے جو اساس و بنیاد کو تو نہیں ڈھاتیں مگر اپنی تاثیر کے لحاظ سے کام بگاڑنے والی ہیں، اور اگر تساہل و تغافل برت کر اُن کو پرورش پانے دیا جائے تو تباہ کن ثابت ہوتی ہیں۔ شیطان انہیں ہتھیاروں سے خیر کی راہ مارنے اور انسانی کوششوں کو بھلائی سے برائی کی طرف موڑنے اور معاشرے میں فساد ڈلوانے کا کام لیتا ہے۔ اگرچہ معاشرے کی صحت کے لئے ہر حال میں ان عیوب کا سدِّباب ضروری ہے۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ ان افراد اور جماعتوں کو تو ان سے بالکل پاک رہنا چاہئے۔ جن کے پیشِ نظر اصلاحِ معاشرہ اور اقامتِ دینِ حق کا مقصدِ عظیم ہو۔

اِس نوعیت کے عیوب کا گہری نظر سے جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا منبع دراصل انسان کی بعض مخصوص کمزوریاں ہیں جن میں سے ہر ایک عیوب کے ایک پورے خاندان کو جنم دیتی ہے۔ سہولتِ فہم کے لئے مناسب طریقہ یہ ہوگا کہ ہم ایک ایک کمزوری کو لے کر پہلے اس کی حقیقت کو سمجھیں، پھر یہ دیکھیں کہ وہ کس طرح، کس تدریج سے عیب آفریں بنتی ہے۔ اور نشو و نما پا کر کیا کیا خرابیاں پیدا کرتی ہے۔ اس طرح ہر برائی کا سراہم کو مل جائے گا اور ہم یہ جان سکیں گے کہ اس کی اصلاح کے لئے کس جگہ مرہم تدبیر استعمال کرنا چاہئے۔

انسان کی کمزوریوں میں سے سب سے بڑی اور سخت فساد انگیز کمزوری "نفسانیت" ہے۔ اس کی اصل تو حُبِ نفس کا وہ فطری جذبہ ہے جو بجائے خود کوئی بُری چیز نہیں بلکہ اپنی حد کے اندر ضروری بھی ہے اور مفید بھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ جذبہ انسان کی فطرت میں اس کی بھلائی کے لئے ودیعت فرمایا ہے تاکہ وہ اپنی حفاظت اور اپنی فلاح و ترقی کے لئے کوشش کرے۔ لیکن جب یہی جذبہ شیطان کی اکساہٹ سے عشقِ نفس اور پرستشِ نفس اور خود مرکزیت میں تبدیل ہو جاتا ہے تو مصدرِ خیر ہونے کے بجائے منبعِ شر بن جاتا ہے اور پھر بدرجۂ ارتقاء میں اس سے عیوب کا ایک نیا سلسلہ وجود میں آتا چلا جاتا ہے۔

برائی کی طرف اس جذبے کی پیش قدمی کا آغاز اس طرح ہوتا ہے کہ آدمی اپنی جگہ اپنے آپ کو بے عیب اور مجموعۂ محاسن سمجھ بیٹھتا ہے، اپنی خامیوں اور کمزوریوں کا احساس کرنے سے اغماض برتتا ہے۔ اور اپنے ہر نقص یا قصور کی تاویل کر کے اپنے دل کو مطمئن کر لیتا ہے کہ میں ہر لحاظ سے بہت اچھا ہوں۔ یہ خود پسندی پہلے ہی قدم پر اُس کی اصلاح و ترقی کا دروازہ اُس کے اپنے ہاتھوں سے بند کرا دیتی ہے۔

پھر جب یہ "من چہ خوب" کا احساس لئے ہوئے آدمی اجتماعی زندگی میں آتا ہے تو اُس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ جو کچھ اُس نے اپنے آپ کو فرض کر رکھا ہے وہی کچھ دوسرے بھی اُسے سمجھیں وہ صرف تعریف و تحسین سُننا چاہتا ہے۔ تنقید اُسے گوارا نہیں ہوتی۔ خیر خواہانہ نصیحت تک سے اس کی خودی کو ٹھیس لگتی ہے۔ اس طرح یہ شخص اپنے لئے داخلی وسائلِ اصلاح کے ساتھ خارجی وسائلِ اصلاح کا بھی سدِّ باب کر لیتا ہے۔

مگر کوئی شخص بھی دُنیا میں ایسا نہیں ہو سکتا جس کو اجتماعی زندگی میں ہر لحاظ سے اپنی خواہش اور اپنی پسند ہی کے مطابق حالات مل جائیں۔ خصوصیت کے ساتھ خود پسند اور خود پرست آدمی کو تو یہاں ہر طرف سے چرکے لگتے ہیں۔ کیونکہ اس کی خودی اپنے اندر وہ اسباب لئے ہوئے آتی ہے جو معاشرے کی بے شمار خودیوں کے ساتھ اس کا تصادم ناگزیر کرا دیتے ہیں اور معاشرے کے مجموعی حالات بھی اس کی توقعات و خواہشات سے خواہ مخواہ ٹکراتے ہیں۔ یہ صورتِ حال اس شخص کو صرف اس

حد پر نہیں رہنے دیتی کہ وہ بس اپنی اصلاح کے داخلی وخارجی وسائل سے محروم ہو کر رہ جائے بلکہ دوسروں سے تصادم کے پھیر کے اور توقعات کی شکست کے صدمے اس کی مجروح خودی کو پیہم ایک سے ایک شدید تر برائی میں مبتلا کرتے چلے جاتے ہیں۔ وہ بہت سے لوگوں کو زندگی میں اپنے سے بہتر پاتا ہے۔ بہت سے لوگوں کے متعلق وہ محسوس کرتا ہے کہ معاشرہ ان کو اس سے زیادہ وقعت دے رہا ہے۔ بہت سے لوگ اس کو وہ وقعت نہیں دیتے جس کا وہ طالب ہوتا ہے بہت سے لوگ اس کے ان مراتب تک پہنچنے میں مانع ہوتے ہیں جن کا وہ اپنے آپ کو مستحق سمجھتا ہے بہت سے لوگ اس پر تنقید کرتے ہیں، بلکہ اس کی تنقیص تک کر ڈالتے ہیں۔ یہ مختلف حالات اس کے دل میں کسی کے خلاف حسد کی، اور کسی کے خلاف بغض اور کینے کی آگ بھڑکا دیتے ہیں۔ وہ دوسروں کے حالات کا تجسّس کرتا ہے۔ دوسروں کے عیب ڈھونڈتا ہے۔ غیبتیں کرتا ہے اور غیبتیں سُن کر لذّت لیتا ہے۔ چغلیاں کھاتا ہے۔ بخویٰ اور سرگوشیاں اور سازشیں کرتا پھرتا ہے۔ اور اگر اس کے اخلاق کی بندشیں ڈھیلی ہوں۔ یا ان مشاغل میں پیہم مشغول رہنے سے ڈھیلی ہو جائیں تو پھر ان گناہوں سے آگے بڑھ کر جھوٹ افترا، بہتان اور دوسرے قبیح تر جرائم کا ارتکاب کرنے لگتا ہے۔ ان برائیوں کے چکر میں پھنس کر وہ اخلاق کی انتہائی پستیوں تک پہنچنے سے نہیں بچ سکتا۔ اِلّا یہ کہ کسی مرحلے پر پہنچ کر اسے خود ہی اپنی اس ابتدائی غلطی کا احساس ہو جائے جس نے اسے اس راستے پر ڈالا تھا۔

یہ کیفیت اگر کسی ایک ہی شخص کی ہو تو اس سے کوئی اجتماعی فساد رونما نہیں ہوتا۔ اس کا اثر زیادہ سے زیادہ چند اشخاص تک پہنچ کر رہ جاتا ہے۔ لیکن اگر اسی نفسانیت کے بہت سے مریض موجود ہوں تو ان کے سبب پوری اجتماعی زندگی میں فساد پھیل جاتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جہاں آپس کی بدظنّی، تجسّس، عیب چینی، غیبت اور چغل خوری کا ایک سلسلہ چل رہا ہو۔ جہاں بہت سے لوگ دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف بُرائی پال رہے ہوں اور بغض وحسد کی بنا پر ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہوں۔ اور جہاں

بہت سی مجروح خودیاں انتقام کے جذبات سے لبریز ہوں، وہاں پھوٹ پڑے بغیر نہیں رہ سکتی۔ وہاں کوئی چیز دھڑے بندیوں کو نہیں روک سکتی۔ وہاں کسی تعمیری تعاون تو درکنار، تعلقات کی خوشگواری تک کا امکان باقی نہیں رہتا۔ ایسے ماحول میں کشیدگی اور کشمکش ناگزیر ہے اور وہ صرف نفسانیت کے مریضوں تک ہی محدود نہیں رہتی بلکہ رفتہ رفتہ اچھے خاصے نیک نفس لوگ اس میں مبتلا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس لئے کہ ایک نیک نفس آدمی منہ پر تو بجا تنقید ہی نہیں بے جا تنقید کو بھی گوارا کر سکتا ہے مگر غیبت اس کے دل میں غبار پیدا کئے بغیر نہیں رہتی۔ اور اس کا کم سے کم اتنا اثر تو ہوتا ہی ہے کہ غیبت کرنے والوں پر اعتماد کرنا اس کے لئے ممکن نہیں رہتا۔ اس طرح ایک نیک نفس آدمی اُن سب زیادتیوں کو معاف کر سکتا ہے جو بغض یا حسد کی بنا پر اس کے ساتھ کی جائیں۔ وہ بدگوئی، الزام تراشی، جھوٹے پروپیگنڈا اور اس سے بھی زیادہ اذیت بخش چیزوں کو بھی نظر انداز کر سکتا ہے۔ لیکن اس کے لئے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ جن لوگوں سے ان صفات کا ذاتی تجربہ اس کو ہو چکا ہو اُن سے وہ اطمینان کے ساتھ کوئی معاملہ کر سکے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس اجتماعی ماحول میں یہ عیوب بر روئے کار آجاتے ہیں۔ وہ کس طرح شیطان کی من بھاتی چراگاہ بن کر رہتا ہے۔ حتیٰ کہ اس میں بہتر سے بہتر آدمی بھی چاہے کشمکش سے بچ جائیں۔ کشیدگی سے نہیں بچ سکتے۔

اس کے بعد یہ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ جو لوگ اصلاح و تعمیر کے لئے مل کر اجتماعی جدوجہد کرنا چاہتے ہوں ان کی جماعت کا ان امراض سے پاک ہونا کس قدر ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نفسانیت کے جراثیم ایسی جماعت کے لئے طاعون اور ہیضے کے جراثیم سے زیادہ خطرناک ہیں۔ ان کی موجودگی میں کسی تعمیر صالح کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

شریعتِ الٰہی اس مرض کے مبدأ آغاز سے اس کا علاج شروع کرتی ہے اور پھر ہر مرحلے پر اس کے سدِّباب کے لئے ہدایات دیتی ہے۔ قرآن اور حدیث میں جگہ جگہ اہلِ ایمان کو توبہ و استغفار کی جو تلقین کی گئی ہے اُس کا منشا یہی ہے کہ مومن کسی وقت بھی اعجابِ نفس اور خود پسندی میں مبتلا نہ ہو۔ کبھی اپنے آپ کو بڑی چیز نہ سمجھے۔ ہر وقت اپنی کمزوریوں اور خامیوں کا احساس اور اپنی خطاؤں اور لغزشوں کا اعتراف ہی کرتا رہے اور بڑے

سے بڑا کارنامہ انجام دینے کے بعد بھی اُس پر پھولنے کے بجائے عاجزی کے ساتھ اپنے خدا کے حضور یہ درخواست پیش کرے کہ خدمت میں جو کوتاہیاں رہ گئی ہیں اُن سے درگزر فرمایا جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر مجموعۂ کمالات اور کون ہو سکتا ہے۔ اور آپ سے بڑا کارنامہ دنیا میں کس انسان نے انجام دیا ہے۔ مگر تاریخ کے اس عظیم ترین کارنامے کو انتہا تک پہنچا کر جب آپ فارغ ہوتے تو دربار الٰہی سے جو تلقین آپ کو فرمائی گئی وہ یہ تھی کہ

"إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا"

جب اللہ کی مدد آگئی اور فتح نصیب ہو گئی اور تم نے لوگوں کو اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے دیکھ لیا تو اب اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو۔ اور اس سے مغفرت چاہو۔ یقیناً وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

یعنی جو کارِ عظیم تم نے انجام دیا اس کے متعلق تم یہ سمجھو کہ اس کی تعریف تمہیں نہیں بلکہ تمہارے رب کو پہنچتی ہے جس کے فضل و کرم سے تم اتنا بڑا کام کر دکھانے میں کامیاب ہوئے۔ اور اپنے متعلق تمہارا احساس یہی ہونا چاہیئے کہ جو حق خدمت تھا وہ پھر بھی ادا نہ ہوا۔ اس لئے انعام مانگنے کی بجائے اپنے رب سے یہ التجا کرو کہ خدمت میں جو کچھ کسر رہ گئی ہے اس سے درگزر فرمایئے۔ چنانچہ بخاری مسلم میں حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکثر ان یقول قبل موتہ سبحان اللہ وبحمدہ استغفر اللہ واتوب الیہ"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات سے پہلے اکثر یہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اللہ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتا ہوں۔ اور اللہ سے مغفرت مانگتا ہوں اور اس کے حضور توبہ کرتا ہوں۔۔ اور ویسے بھی توبہ و استغفار ہمیشہ ہی آنحضور کا معمول تھا۔ بخاری میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ انہوں نے حضور کو فرماتے سنا کہ واللہ انی استغفر اللہ واتوب الیہ فی الیوم اکثر من سبعین مرۃ"۔ خدا کی قسم میں ہر روز ستر مرتبہ سے زیادہ اللہ سے استغفار اور توبہ کرتا ہوں۔

اس تعلیم کی روح اگر کوئی شخص اپنے اندر جذب کرے تو اس کے ذہن میں نفسانیت کا وہ بیج کبھی جڑ ہی نہیں پکڑ سکتا۔ جو برگ و بار لا کر فتنہ و فساد کے لیس بھرے پھل دیتا ہے۔

اس پر بھی اگر کسی نفس میں یہ خرابی پیدا ہو ہی جائے تو شریعت الٰہی اخلاق اور عملی رویے میں اس کے ظہور اور نشوونما کو ہر قدم پر روکتی ہے۔ اور اس کے بارے میں سخت احکام دیتی ہے۔ مثلاً اس کا پہلا ظہور اس شکل میں ہوتا ہے۔ کہ آدمی اپنے آپ کو تنقید سے بالاتر سمجھتا اور منوانے کی کوشش کرتا ہے اور اس بات کو برداشت نہیں کرتا کہ کوئی شخص اسے کسی غلطی پر ٹوکے۔ شریعت الٰہی اس کے برعکس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو تمام اہل ایمان پر لازم کرتی ہے۔ اور خاص طور پر بڑی اقتدار ظالموں کے مقابلے میں کلمہ حق کہنے کو تو افضل الجہاد قرار دیتی ہے تاکہ مسلم معاشرے میں بلائی پر ٹوکنے اور بھلائی کی تلقین کرنے کا ایسا ماحول پیدا ہو جائے جس میں نفسانیت پنپ ہی نہ سکے۔

اس کا دوسرا ظہور بغض و حسد کی شکل میں ہوتا ہے۔ جسے آدمی ہر اس شخص کے خلاف دل میں پالنا شروع کرتا ہے۔ جس سے اس کی نفسانیت کو چوٹ لگی ہو۔ اور پھر اس سے تعلقات کی خرابی کا آغاز ہوتا ہے۔ شریعت الٰہی اس چیز کو گناہ قرار دیتی ہے۔ اور اس پر سخت وعید سناتی ہے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ایاکم والحسد فان الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب۔ "خبردار حسد نہ کرو۔ کیونکہ حسد آدمی کی نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ سوکھی لکڑیوں کو چٹ کر جاتی ہے۔" احادیث میں متعدد الفاظ کے ساتھ حضورؐ کے یہ تاکیدی ارشادات وارد ہوئے ہیں۔ کہ لاتباغضوا (ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو) لا تحاسدوا (ایک دوسرے سے حسد نہ کرو) لاتدابروا (ایک دوسرے سے پیٹھ نہ پھیرو)۔ لاتقاطعوا (ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کرو) لا یحل لمسلم ان

لا تقاطعوا (ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کرو) لا یحل لمسلم ان یھجر اخاہ فوق ثلاث (کسی مسلم کے لئے حلال نہیں ہے۔ کہ تین دن سے زیادہ اپنے مسلمان بھائی سے تعلقات توڑے رکھے

اس کا تیسرا قدم بدگمانی کی طرف اٹھتا ہے اور پھر تجسس کر کر کے آدمی دوسروں کے عیوب ٹٹولنے لگتا ہے۔ بدگمانی کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی اپنے سوا ہر ایک کے متعلق یہ ابتدائی مفروضہ قائم کرتا ہے کہ وہ ضرور برا ہے اور بظاہر اس کی جو چیز قابل اعتراض نظر آتی ہے اس کی کوئی اچھی توجیہ کرنے کے بجائے ہمیشہ بری توجیہ کرتا ہے اور تحقیق کی بھی ضرورت نہیں سمجھتا۔ تجسس اسی بدگمانی کا ایک شاخسانہ ہے۔ آدمی دوسروں کے متعلق پہلے بری رائے قائم کرتا ہے۔ پھر اس کا ثبوت فراہم کرنے کے لئے ان کے حالات کی ٹوہ لگانی شروع کرتا ہے۔ قرآن ان دونوں چیزوں کو گناہ قرار دیتا ہے۔ سورۂ حجرات میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا "بہت گمان کرنے سے بچو کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ اور تجسس نہ کرو"۔ حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث "خبردار، بدگمانی نہ کرو کیونکہ بدگمانی بدترین جھوٹ ہے" حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ انا قد نهينا عن التجسس ولكن ان يظهر لنا شئ ناخذ به "ہم کو ٹوہ لگانے اور عیوب ٹٹولنے سے منع کیا گیا ہے۔ البتہ اگر ہمارے سامنے کوئی بات کھل جائے تو اس پر ہم پکڑیں گے"۔ حضرت معاویہؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انک ان اتبعت عورات المسلمین افسدتھم "اگر تم مسلمانوں کے پوشیدہ احوال کی کھوج کرید کرو گے تو ان کو بگاڑ دو گے"۔

ان مراحل کے بعد غیبت کا دور شروع ہوتا ہے۔ اس کی بنیاد خواہ بدگمانی پر ہو، یا حقیقت پر، دونوں حالتوں میں کسی شخص کو ذلیل کرنے اور اس کی تذلیل سے لذت یا فائدہ اٹھانے کی خاطر اس کے پیٹھ پیچھے اس کی برائی کرنا غیبت ہے۔ حدیث میں اس کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے کہ ذکرک اخاک بما یکرہ "تیرا اپنے بھائی کی غیر موجودگی میں اس کا ذکر اس طرح کرنا کہ اسے معلوم ہو تو ناگوار ہو"۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اگر ہمارے بھائی میں وہ برائی موجود ہو جس کا ذکر کیا

(بقیہ بر صفحہ ۶۰)